دوستان ذرہ ذرہ شدہ است۔ نہ در آسمان ست سنے در زمیں۔

.... مقرر و آں ضمیر مستنیری گرداند کہ اندرانچہ سلطان مشرق ناصرالدین والدنیا... ازمقام محمود چوں نیراعظم بر عزم کشورکشائی تیغ زناں راہ قطع کردہ باقطاعِ اَوَدھ دررسید ہلالِ رامیش در آبِ سرو چوں ماہ از برج سرطان رویت نمود..... وازیں جانب سایۂ عنایت پروردگار جہانگیر مشرق و مغرب معزالدنیا والدین کیقباد..... چتر خورشید تابِ ظل الٰہی راہم برلبِ آب مذکور چوں آفتاب درخانۂ ماہی مستقیم گردانید۔

آں چہ لشکر بود کز جنبید نش زلزلہ درچار ارکان در گرفت

لرزۂ بیرق زبندِ نیزہا گوئی آتش در نیستان در گرفت

پائے در گِل ماند خیلِ آسماں گردکاندر چرخِ گرداں در گرفت

روزِ اوّل این دو بحرِ زاخر بوجہ توجہ اگرچہ آئینۂ آب درمیان بود مواجہہ نمودند۔ مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان۔ روزِ دیگر قران السعدین و اجتماع نیرین گردشِ دوران ارزانی داشتند، و برہان جمع الشمس و القمر بر عالمیان مبرہن و مبین گردانیدند۔ شبہ نیست کہ بواسطۂ مباینت بینہما دیدار قیامتے افتادہ بود۔ و قیامت ایں بود کہ رویتِ آخرت ہم بلقیہ اولی درحساب آمد۔ مگر یوم النشور بود کہ آں دو آسمانِ رفعت آیتِ اذا الکواکب انتثرت باعلامِ جاریۂ مرتکاں بر صفحات وجنات می نگاشتند و جمہور خلایق بدیں باعثہ دراں محشر حشر کردہ دراں

عرصات می گشتند۔

ناگاہ ذاتِ منورِ شمس الدین دبیر نور اللہ الی یوم الدین چوں آفتاب قیامت بر سرِ ایں ذرہ آمد طلعت الشمس کشمس الطلعہ از گرمی آں مہر بر خود بسوختم و خونم از حرارتِ درونی بیروں جوشید۔ از احتراق طاقتِ آں نداشتم کہ سوئے او توانم دید۔ مع ہذا چشم بجانبش تیز کردم۔ آب در چشم من بگشت۔

آب در چشم بگردد چو ببینی خورشید　　خاصہ خورشیدے کش خانہ بود دانِ چشم

دیدم کہ از عفونتِ ہوائے ہندوستان آں چشم بر آب خود نماندہ بود، بلکہ آفتاب مرا بدید و از جائے خود برفت۔ بحیلہ بسیار بجانبش آوردم۔ الحق دیدیت از دورانِ روزگار در میان آورد کہ شیوۂ آبای علوی و امہات سفلی است کہ ابنائے جنس اخوانِ انس را چوں بنات النعش از ہمدیگر متفرق و متغرب می دارد۔ قدرے از قدر اقتدارِ خویشن بزبانِ حال لا بلسان المقال بطیبے ہر چہ پوشیدہ تر گفتن می کرد کہ در چہ از انچہ بود عالی شدہ بود، و از برآمد دولتِ خویش الشمسُ لا یخفیٰ فِی کُلِّ مکان گشتہ رفعہ اللہ فی مشارق الارض و مغاربھا۔ ہریک از اصحاب را یاد کردے علی العموم می کرد، علی الخصوص آں نجم ثاقب را۔

بگریہ گفت کہ آمد بسے ستارہ بچشم
ستارہ کہ مرا باید آں بچشم نیامد

آں روز بوقتِ غروب بمقامِ خویش بازگشت۔

روز دیگر بہوائے اثیرالدین محمد محمد آتارہ ازبس کہ اثیر حرقت در باطن
ایں سوختہ ظاہر شدہ بود خویشتن را در آب زدم دگذانہ عزم گذارا کردم
حالے کہ ایں خاکے از آب بگذشت سراسیمہ وار درہوائے آں اثیر معلق بین
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ می رفت تا باثیر رسید۔ چوں یاراں محیط آتش طبیعت
گرم ہنگامِ نمازِ خفتن بود، بہ تعجب می گفت ؎

ایں تو ئی یا بخواب می بینم
کہ شب آفتاب می بینم

شبا روزے بدیدا راں عزیز شب را بروز و روز را بشب آوردہ شد ؎

خجستہ روزے کاید شبے دی عزیزاں
پس از ہزار شب و سہ ہزار روز جدائی

الغرض روز سوم ہم از بامداد ملک الآفاق شمس الدین عزیمت کشتی کرد و
بندہ خسرو کہ قایم مقام تیر ست دراں کشتی باقامت بندگی راست بایستاد ؎

کرد بر چشم خیالِ یار من کشتی رواں
آفتابے بود کاں بر روئے دریا می گذشت

شک نیست کہ آں فراتِ جیحوں موج از بحر بالاتر بود، بلکہ از بحر می گذشت و بحر را
کہ خراج گذار جود او ست از جود او غیرت بحاصل می آمد۔ فی الحاصل نزدیک

چو تردد تابشی که در رفعتِ سرنقابکِ فلک می رسانید، برسید و پرسید تا کشتی را بر لبِ آب برکنار امیدِ آشنایان بایستانند - تا اگر آشنائے بر روئے آب می آید که آشنائی آشنائے گزشته بر آبِ خویش باز آورد - و بیشترے راندنِ کشتی از برائے آں نجمِ علا بود - چوں زمانے برآمد و بعد از زمانے چوں ستارۂ مقصود بر نیامد می گفت ؎

چگونه رانم کشتی ستاره پیدا نیست
گر ستاره نہاں شد در ابرِ دیدۂ من

از ہنگامِ طلوعِ آفتاب تا زوالِ نہار بر کرانۂ نہر آں مردمِ دیده را چشم می داشت و از کواکبِ مراد عکسے ہم در آب نمی دید ؎

آرے نتواں ستاره دیدن در روز

بر روئے من با رقۂ از مہرِ یار رقتِ تمام روشن می کرد و در معاینۂ ایں سردِ معاینه می گفت ؎

من که شمعم همه تن مہر شدم از سرِ سوز
ذوقِ آں دست نہاں ماندہ چو سیارۂ مہر

بعد از انتظارِ بسیار بنده را وداع کرد و آیتِ العود خیر بر خواند - و دیوانِ خاص که نظمش از نثره و شعرے سخن میگوید یادگار بکاتب سپرد، و خود بمقرِ دولت رسانید، و نادیدنِ آں عزیز را بر تقدیرِ خدائے علیم حواله کرد -

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔ بنده با قلبِ کبیر

وقلبِ بے سکون از اں میثاق بوثاق آمد.......

تمامت روز دریں تحیری بودم کہ یارب اگر مجلسِ شمسی آں نجم علا بچشم آمدی نور اً اعلیٰ نور بودے۔

روزِ دیگر بدرِ منیر مملکت را از حضیضِ مشرق باوجِ ارتفاع رجعت افتادہ داد و اعلامِ اعلیٰ بر سمت دار الملکِ جلال منزل بمنزل بر طریقے سریع السیر گشت کہ در ہیچ منزل باآں نجم مقابلۂ سعادت میسر نگشت کہ سوختگی شمس و اثیر دیدہ بر روئے آب آوردے ؎

سوزے کہ بسینہ دارم آخر روزے
در خدمت تو بروئے آب آرد چشم

ہم در اثنائے راہ مخدومِ بندہ بمنزلتِ اقطاعِ اودھ شرفِ دست بوسی یافت بندہ کہ چوں عطارد در شعاعِ آں آفتاب ست نتوانست کہ بخانۂ خویش راجع شود ضرورت باستقامت آں طرف رضا داد۔ ملکِ بے مثال بطلبِ مثالِ ولایت بر موافقت رکابِ فرقد سائے اعلیٰ منطقۂ جوزا بر میان بست و در ظلِ ظلیل ہمائے ہمایونِ چتر کہ نسرِ طائر سایہ نشینِ اوست، طیراں نمود۔ و بندہ را کہ بلبلِ حدیقۂ صداقت است باز گردانید۔ باشارت رائے مختار اختیارے از اتصالات کوکبۂ اصحاب لشکر نقلِ ضروری اختیارے افتاد و بہ ظلمتِ ہندوستان کہ اقلیمِ زحل ست ہبوط کردہ شد۔

موسم باراں بود چشمۂ خورشید با سرطان آشنائی در آمد و سرطان منقلب آبی گشتہ در عین باران و باران عین چوں آب سرو بجانب آددھ دواں کردہ شدہ

ابری بارد و من می شوم از یار جدا ✦ چوں کنم دل بچنیں وقت ز دلدار جدا

ابر و باران و من و یار ستادہ بوداع ✦ من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

باران آیت فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً دبانگ بلند می خواند، و باد و اضح فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَۃٌ بر صحیفۂ آب مسلسل رواں رواں نقش می کرد و سبزہ بخط تر تفسیر لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا بر تختۂ خاک ثبت می فرمود، و آب پیرامن خط مسلسل سبزہ جدول تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ می کشید با چنداں آب رسوا دبستاں تر گشت خط سبزہ ولے پاک نہ شد

مردم چشم از شرح فراق دستاں رشحے میرا دید و ابر چوں ہوا خواہاں می گریست پائے مرکیم در آب چشمہا می لغزید، و برق چوں مسخرگاں می خندید

چگونہ برق نخندد کہ ژالہ سنگ انداز

حباب شیشہ گری را کشادہ کرد دکاں

تقاطر قطرات از عبرات من عبارتی می نمود، و بارقہ برق از احتراق من حرقتے ......

تا بریں طریق ایں خراب از معمورۂ اودھ آمد تا ایں قصۂ غصہ را بداں جناب رفیع رفع کرد فی العزۃ من شہر رجب المرجب عظم اللہ ترجیبہ سنہ سبع وثمانین وستمائۃ انتظار قطرہ ازاں دوائر دوات آں کہ قلم شہاب

سیر بجاری احوال جاری دارد، واخبار متواتر را کہ موجب علم قطعی ست
چوں کتابی کہ از بالا آید فرود فرستد، واز درجۂ محبت دقیقہ فرو نگزارد۔ مدارج
ارتفاع بعتبۂ علیا مدرّج باد۔ آمین۔

یہ خط قران السعدین کے اصل واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیقباد اور محمود کی ملاقات کے موقع پر مکتوب الیہ کے آنے کی توقع تھی لیکن وہ کسی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکا۔ یہ خط یکم رجب ۶۸۸ھ اور پچھلے خط سے پندرہ روز پہلے کا لکھا ہوا ہے جس میں خسرو نے خاص طور پر اپنے دوستوں شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر الدین سے ملاقات کے واقعات بیان کیے ہیں۔

نانا کے مرنے کے بعد جس وقت خسرو کا ملک چھجو کے یہاں تعلق ہوا ہے ان دونوں سے اسی زمانے میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے تھے۔ شمس الدین اور اثیر الدین سلطان ناصر الدین (بغرا خاں) کے مصاحب تھے اور اکثر اس کے ہمراہ ملک چھجو کے یہاں جو سلطان مذکور کا چچا زاد بھائی تھا آتے اور شعر و سخن میں خسرو کے حریف مجلس بنتے تھے۔ اس کے بعد جب خسرو نے سلطان ناصر الدین کے یہاں ملازمت اختیار کی تو دونوں سے تعلقات اور زیادہ ہو گئے۔ جس وقت مہم طغرل کے بعد سلطان بلبن نے بغرا خاں کو لکھنوتی (بنگال) کا حکمراں مقرر کیا تو خسرو اور اثیر الدین اور شمس الدین شاہزادہ مذکور کے ہمراہ تھے۔ وطن اور عزیزوں کی محبت میں خسرو تو دہلی چلے آئے لیکن اُن کے دونوں دوست شاہزادہ مذکور کے ساتھ لکھنوتی رہ گئے۔ خسرو کا دہلی پہنچنے کے بعد

شہزادہ سلطان محمد (سلطان شہید) کے دربار سے تعلق ہوگیا اور اس کے ہمراہ پانچ برس تک ملتان رہے۔ شہزادۂ مذکور کی شہادت کے بعد کوئی دو سال گوشہ نشینی میں گذارے اب اس موقع پر جب دہلی اور لکھنوتی کے لشکر اودھ میں ملے تو برسوں کے بچھڑے ہوئے دوست آپس میں بغلگیر ہوئے۔ اس دوران میں شمس الدین دبیر کا تقرب سلطان محمود کے یہاں بہت کچھ بڑھ گیا تھا چنانچہ سلطان محمود نے جس وقت باربک کے پاس (جو لشکر کیقباد کے ہراول کا سپہ سالار تھا) پیغام بھیجا ہے تو شمس الدین دبیر کو اس پر متعین کیا تھا۔

قران السعدین میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

تیغ زنِ مشرق از آنسوئے آب | تیغ برون آختہ چون آفتاب
جست رسولے کہ گزارد پیام | ہرچہ بگویند بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد | کم نکند ہیچ زنیروے مرد
دید کہ کس نیست زبرنا و پیر | درخور ایں کار چوں شمس دبیر

(ص ۷۱-۷۲)

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ خسرو کے معاصرین میں شمس دبیر کا مشہور ادبا اور شعرا میں شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر رخصت کے وقت شمسِ دبیر نے اپنے عزیز دوست کو اپنا دیوان بطور یادگار دیا ہے بدایونی نے منتخب التواریخ میں شمس دبیر کا کچھ کلام نمونۃً درج کیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۲۶۰ منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور)

دوسری خصوصیت خسرو کی طبعزاد مثنویوں کی یہ ہے کہ ان میں واقعیت

کا سر رشتہ کمال احتیاط کے ساتھ برقرار رکھا گیا ہے۔ امیر داستان کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شاعری کے ساغر میں حقیقت ہمیشہ عُریاں نظر آتی ہے۔ اس خصوصیت کا خود انھیں بھی پورا احساس تھا اور اس کی طرف اُنھوں نے فخر کے طور پر جا بجا اشارہ کیا ہے۔

اس خصوصیت کے دو پہلو ہیں اوّل یہ کہ واقعات صحت کے ساتھ بیان کیے جائیں، دوسری یہ کہ بیانِ واقعات میں انتخابِ جزئیات اور تفصیلِ کوائف پر کامل دستگاہ ہو۔ خسرو کی مثنوی نگاری میں یہ دونوں پہلو بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اُن کی معلوماتِ عامّہ غیر معمولی ہیں اور ان معلومات سے شاعرانہ مصوّری میں پوری طور سے کام لینا آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو شاعرانہ سحر کاری کے باوجود اُن کا کلام حقیقت سے متجاوز نہیں ہوتا اور دوسری طرف اُس میں وہ تمام جزئیات موجود ہوتے ہیں جو شاعرانہ مصوّری میں تصویر کشی کے خطوط اور رنگ آمیزی کے قایم مقام ہوتے ہیں۔

پہلی خصوصیت اور دوسری خصوصیت کی اجتماع کی وجہ سے خسرو کی مثنوی نگاری کو "تاریخی نقاشی" سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

واقعیت کی خوبی ان دونوں لحاظ سے قران السّعدین میں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔ کُل قصّے کی کائنات صرف اسقدر ہے کہ بلبن کے انتقال کے بعد اس کا پوتا کیقباد تختِ دہلی پر متمکن ہوتا ہے۔ کیقباد کا باپ ناصرالدین محمود لکھنوتی میں حکمراں ہے۔ وہ اپنے باپ

بلبن کے انتقال اور اپنے بیٹے کیقباد کی تخت نشینی کی خبر پاکر اور اپنے آپ کو تخت دہلی کا وارث حقیقی سمجھکر ہندوستان پر لشکر کشی کرتا ہے۔ باپ کی لشکر کشی کی خبر سنکر بیٹا بھی اپنی فوج لیکر دہلی سے بڑھتا ہے۔ شہر اودھ کے قریب سرجو ندی کے کناروں پر دونوں لشکر صف آرا ہوتے ہیں لیکن باہم نامہ و پیام کے بعد صلح ہوجاتی ہے اور باپ بیٹے سے آکر ملتا اور اُسے اپنے ہاتھ سے تخت پر بٹھا دیتا ہے۔ یہ بظاہر کوئی اہم یا مہتم بالشان واقعہ نہیں ہے۔ لیکن شاعر کی سحر کاری دیکھو، مواد کی کمی اور واقعہ کی قلیل النتاجی کو "وصف نگاری" کے پردے میں اس طرح چھپایا ہے کہ قصے کی بے مائیگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

جس چیز کو خسرو نے "وصف نگاری" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نگاری ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ انتخاب جزئیات اور تفصیل کوائف یہ دونوں اجزا وصف نگاری کی جان ہیں اور فارسی میں اس مثنوی سے بڑھکر شاید کہیں موجود ہوں۔

جس وقت ناصرالدین کی فوج کشی کی اطلاع دہلی پہنچتی ہے، سردی کا موسم ہے، کیقباد دارالسلطنت سے شکار کے لیے باہر آتا اور فوج کا معائنہ کرتا ہوا قصر کلوکھری پہنچ جاتا ہے اور وہاں جشن شاہی مناتا ہے۔ یہ داستان کے ابتدائی واقعات تھے، لیکن یہاں تک پہنچتے ہوئے مثنوی کا پڑھنے والا دارالسلطنت کی سیر کرچکا ہے، اُسے موسم کی پوری کیفیت معلوم ہوچکی ہے، بادشاہ کے جلوس اور شکارگاہ کا نظارہ دیکھ چکا ہے اور رنگیلے بادشاہ کی محفل نشاط کا پورا سین اس کی آنکھوں میں پھر گیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دہلی جمنا کے قریب

واقع ہے۔ اُس میں تین حصار ہیں وہاں پر مسجد جامع، منارہ، ماذنہ اور حوض شمسی دلچسپ مقامات ہیں اور شہر نہایت آباد اور پُر رونق ہے۔ سردی کے زمانے میں جو خاص تبدیلیاں پیش آتی ہیں وہ سب اُس کے سامنے ہیں اور اس طرح کہ وہ گویا موسم کی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ لمبی راتیں، چھوٹے دن، برف باری اور آگ کی گرم بازاری، گرم اور موٹے کپڑوں کا استعمال، مُنہ سے بھاپ نکلنا وغیرہ یہ سب وہ کیفیات ہیں جنکا خیال آتے ہی جاڑے کا موسم محسوس ہونے لگتا ہے۔ غرض اسی طرح پر ایک ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کا پڑھنے والا کسی ملک کا رہنے والا کیوں نہو وہ واقعات کے ساتھ حالات ماحول اور مناظر کا پورا سماں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوا جاتا ہے۔ اس واقعہ نگاری کی بدولت اُس عہد کے تمدن کی جزئیات پر ایسی روشنی پڑتی ہے جو دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ دربار، جلوس، مجلس شاہی اور فوجی نظام کی گویا چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

مناظر فطرت کی مصوری بھی (اگرچہ ایک جداگانہ خصوصیت قرار دی جاسکتی ہے) اسی خصوصیت کے جس سے ہم بحث کر رہے ہیں تحت میں داخل ہے۔ اس میں خسرو کو امتیاز خاص حاصل ہے اور اس لحاظ سے میرے خیال میں دنیا کے بہت تھوڑے شاعر اُن کے پہلو بہ پہلو ہیں۔ یہ بحث بہت زیادہ تفصیل کی محتاج ہے، لیکن یہاں محض اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

مثنوی قران السعدین میں تمام موسموں کی کیفیات اور مختلف اشیاء کے اوصاف

ہیں جس کمال کا اظہار کیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

تیسری خصوصیت جو خسرو کی شاعری کا مابہ الامتیاز ہے اور جو مثنوی نگاری کی جان ہے وہ نفسانیات کا صحیح ادراک ہے۔ جس طرح ایک ڈراما نگار یا ناول نویس کے لیے ضرورت ہے کہ وہ اشخاصِ قصہ کی شخصیتیں قایم کرے انھیں شروع سے اخیر تک برقرار رکھے، اور حالات و واقعات سے ہر موقع پر ان کی داخلی کیفیات مترشح ہوتی اور اُن کو ایک دوسرے سے متمائز کرتی ہوں، اسی طرح مثنوی نگاری میں جہاں موقع پیش آئے یہ حفظ و تفریقِ اشخاص لابد ہے اس کے بغیر مثنوی میں روح پیدا نہیں ہو سکتی فارسی لٹریچر میں بہت کم مثنویاں ہیں جو اس معیار پر پوری اُترتی ہیں۔

خسرو کو تاریخی مثنویوں میں اس خصوصیت کے پورا کرنے کے لیے یہ موقع حاصل تھا کہ اشخاصِ قصہ اُن کے پیشِ نظر تھے اور وہ ان کو نہایت اچھی طرح جانتے تھے، لیکن اس سے اگرچہ یہ فائدہ ہوا کہ انھیں تخیل کی مدد سے اشخاصِ قصہ کو پیدا کرنا نہیں پڑا جیسا کہ افسانی میں کرنا پڑتا ہے، لیکن تحفظِ شخصیت کوئی سہل کام نہیں ہے، اور جب تک ادراکِ نفسانیات کے ساتھ شاعر کی قوتِ مصورہ نہایت تیز نہ ہو یہ میدان طے ہونا نہیں ہو سکتا۔

دوسری اور تیسری خصوصیت دراصل ”واقعیت“ کے دو پہلو ہیں، خارجی اور داخلی۔ خارجی حالات کا احساس اور ادراک بہ نسبت نفسِ انسان کے پیچیدہ اور مخفی کیفیات کے بہت زیادہ سہل ہے، لیکن جس طرح کسی شخص کی صورت دیکھ لینا اس کو واقعی طور پر جان لینے کے لیے کافی نہیں ہے اسی طرح کسی قصہ یا داستان میں محض باہر کی اور اوپری چیزیں اشخاصِ قصہ

سے حقیقی واقفیت کے لیے کافی نہیں۔

قصہ کا پڑھنے والا کتاب ختم کرنے کے بعد قدرتاً یہ خیال کرتا ہے کہ اشخاصِ قصہ کس حد تک اس کے ذہن میں مرتسم ہیں اور وہ اُن کے باطنی حالات، اخلاق و عادات اور رجحانات اور خیالات سے کس حد تک آگاہ ہے۔ مصور اور شاعر میں ایک بڑا فرق ہے کہ اوّل الذکر تمام تر خارجی اور محسوس مناظر سے باطنی کیفیات کی جھلک دکھاتا ہے، برخلاف اس کے شاعر بیشتر داخلی پہلو کو لے کر چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی ہستیاں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

واقعیت کے دونوں پہلو کو ملحوظ رکھنا اور اُن کو کامیابی کے ساتھ شاعرانہ نقاشی میں کام میں لانا چنداں آسان نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خسرو شاعری کی اس دشواری سے خوب واقف تھے۔

ایک جگہ قران السّعدین میں لکھتے ہیں۔

ایں سخن چند کہ بیخو است ست　　　　شاعری نیست کہ ہم راست ست

گرچہ چنیں راست نباید نہفت　　　　"راست بسے ہست کہ نتوانش گفت"

اگرچہ قران السعدین میں اشخاصِ قصہ کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے، کیقباد، محمود اور چند دیگر اشخاص لیکن حفظِ شخصیات کا اس میں پورا التزام ہے۔ اس کا پورا لطف اس موقع پر آتا ہے جہاں باپ اور بیٹے کے مابین نامہ و پیام ہوتے ہیں اور اس کے بعد صلح ہو کر خلوت میں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ یہاں گویا ڈراما کی (جس میں شخصیت کا کامل التزام ہوتا ہے)

جھلک نظر آنے لگتی ہے۔

اس مثنوی میں مرکزی شخصیت کیقباد ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ایک نوجوان بادشاہ تھا جو تمام تر عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ خسرو نے اگرچہ ایک مورخ کی طرح عیب جو بن کے نقطۂ نظر سے یہ نہیں کہا کہ بادشاہ ہوا و ہوس میں گرفتار اور دنیا و ما فیہا سے بے خبر تھا، لیکن ساری مثنوی عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی اور سراپا مرقع عیش بنی ہوئی ہے۔

جیسا کہ مولانا اسمٰعیل نے لکھا ہے "حضرت خسرو کو ممدوح بھی خوش قسمتی سے ایسا ہاتھ لگا ہے کہ ساقی و مغنّی و شاہد و بادہ و ساغر کا ذکر محتاجِ تکلف نہیں بلکہ اس کی بزم عیش کا ایک معمولی ہنگامہ ہے۔"

حقیقتِ حال یہ ہے کہ خسرو کی تمام تصانیف بالخصوص مثنویوں کو اس عہد کا آئینہ کہا جا سکتا ہے جس میں وہ لکھی گئی ہیں۔ ایک سچے شاعر کا قلب کیفیات دائرہ اور حالات ماحول سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اس کے جذبات جلد مشتعل ہوتے اور معرضِ اظہار میں آ جاتے ہیں۔ عہد علائی کی مثنویوں میں اُس عظیم الشان عہد کی ہر جگہ پر جھلک پڑتی ہے۔ اسی طرح نہ سپہر میں علاءالدین کے عیش پرست جانشین قطب الدین مبارک شاہ کی تفریح صید افگنی اور بزم آرائیوں کا فوٹو سامنے آجاتا ہے جو خلجیوں کی بربادی کی اسی طرح پیشینگوئی کرتا ہے جس طرح کیقباد کی عیاشیاں سلاطین غلامان کے خاندان کی تباہی کا پتہ دیتی ہیں۔

اسی خصوصیت کے تحت میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ غزلیات داخل ہیں

جو قران السعدین میں مختلف مقامات پر تضمین کی گئی ہیں۔ ان غزلوں کی خاص خوبی یہ ہے کہ سب حسبِ حال ہیں۔ جس داستان کے بعد آتی ہیں داخلی حیثیت سے پچھلے واقعات کا اعادہ کرتی اور اگلی داستان کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

مثلاً موسمِ سرما ہے کیقباد لشکر کی تیاری کا حکم دیتا ہے:-

شد ہوا سرد کنوں آتشِ خرگاہ کجاست (صفحہ ۴۴)

مقطع میں اگلی داستان "جنبشِ شاہ زدہلی زپئے کینِ پدر" کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، جس کا مصرعۂ اولیٰ ساری داستان کا خلاصہ ہے ؎

عزم حج دارد خسرو زپئے توبۂ عشق
توشہ اینک غمِ دل، بارگہِ شاہ کجاست (صفحہ ۴۸)

بادشاہ دارالسلطنت سے روانہ ہو کر عازمِ شہر ہوا ہے۔

"سوار چابک من باز عزم لشکری دارد" (صفحہ ۵۷)

موسمِ بہار آتا ہے بادشاہ گُل و بُلبل کے ساتھ دادِ طرب گستری دیتا ہے ؎

(۱) آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش الخ (صفحہ ۶۲)

(۲) گُل امروز تا آخریں شب مست خابرست الخ (صفحہ ۸۶)

(۳) دوشش ناگہ بہ دلِ شدہ آں مہ برسید الخ (صفحہ ۹۰)

لشکرِ شاہی فتحمند واپس آتا اور مُغل قیدی پایمال ہوتے ہیں۔

تیغ برگیر تا زِ سر برهم
تیر بکشاے کز نظر برهم (صفحہ ۹۹)

باپ بیٹے میں صُلح ہوکر ملاقات کی سلسلہ جنبانی ہوتی ہے۔

بباغ سایۂ بیدست و آب در سایہ
ازیں سپس من و جانان و خواب در سایہ
(صفحہ ۱۳۶)

باپ بیٹے میں ملاقات ہوتی ہے۔

خرم آں لحظہ کہ مشتاق بیارے برسد
آرزو مندِ نگارے بہ نگارے برسد
(صفحہ ۱۵۲)

وقتِ وداع ہے باپ اور بیٹا جُدا ہوتے ہیں۔

آرامِ جانم می رود۔ دل را صبوری چوں تواں الخ (صفحہ ۲۱۰)

مفارقت کے بعد کی بیقراری اور یاد۔

سخت دشوار ست تنہا ماندن از دلدارِ خویش
با کہ گویم حالِ تنہا ماندنِ دشوارِ خویش
(صفحہ ۲۱۶)

بادشاہ عازمِ دارالسلطنت ہوتا ہے۔

باز ابر تیرہ از ہر سوے سر بر می کند الخ (صفحہ ۲۲۴)

بادشاہ دارالسلطنت پہونچتا ہے۔

عمر نو گشتہ مرا باز کہ جان باز آمد الخ (صفحہ ۲۳۴)

کتاب ختم ہوگئی بادشاہ کی خدمت میں شرفِ قبول کی درخواست ہے۔

نامہ تمام گشت بجاناں کہ می برد پیغامِ کالبد بسوے جاں کہ می برد (صفحہ ۲۵۵)

الغرض مسلسل تمام داستان کی کیفیات جو واقعات کے لحاظ سے شاعر کے قلب پر وارد ہو سکتی ہیں، ان غزلیات کے ذریعہ بیان کر دی گئی ہیں۔ گویا شاعر نے مجرّد جذبات کے لباس میں تمام قصہ ہی کو بیان کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز پر لفظ شاعری کا سب سے زیادہ اطلاق ہو سکتا ہے وہ صنف غزل ہے۔ مل نے کیا خوب کہا ہے کہ شاعر کے بیان کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ وہ جذبات میں سرشار دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر نواسنج ہوتا ہے اور اس کا بیان دوسروں کی طرف خطاب نہیں ہوتا، وہ غم و غصہ شوق و مسرت سے بیتاب ہو کر ترنم کرتا ہے جس طرح بلبل اپنے جھنڈ میں خود مہمک اور صحنِ باغ کے بسمل اور وارفتہ سامعین سے بے خبر ہوتی ہے اسی طرح شاعر اپنے جذبات اور واردات قلبی کا اس طرح اظہار کرتا ہے کہ گویا وہ سامعین سے بے نیاز اور بے خبر ہے۔

اس معیار کو پیش نظر رکھو اور قران السعدین کی غزلیات کو جانچو۔ یہ غزلیات جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں مناسبِ موقع لکھی گئی ہیں گویا خارجی واقعات کو مجرد جذبات کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

شاعری کی صنف غزل میں خسرو کو جو امتیازِ خاص اور قبولِ خاطر حاصل ہے محتاجِ بیان نہیں۔ وہ غزل سرائی میں سعدی کے تتبع ہیں لیکن ان کا غزلیات میں ایک خاص رنگ پایا جاتا ہے۔ سعدی کے سامنے رکھنے سے معلوم ہو گا کہ کلام کی سلاست اور شیرینی اور جذبات کی پاکیزگی دونوں کے یہاں موجود ہیں لیکن خسرو کی غزلیات میں جو طرفگی،

تخیل، واقعیت، سوز، رقت اور رقص پایا جاتا ہے وہ ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ قران السعدین کی غزلیات وسط الحیوۃ کے اخیر زمانہ اور غرۃ الکمال کے ابتدائی ایام سے تعلق رکھتی ہیں یہ اُن کے انبساط اور جوش کا زمانہ ہے۔ قران السعدین کی غزلیات کے متعلق خود خسرو نے کیسی اچھی تعریف کی ہے۔

ہر غزلے دشنۂ عشاق کُش (صفحہ ۲۳۶)

جیسا کہ مولنا اسمٰعیل نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے یہ غزلیں حالیہ ہیں۔ علاوہ ازیں مثنوی کی بحر ظاہر ہے کہ شروع سے اخیر تک ایک ہے۔ بیچ میں مختلف بحروں کی غزلیات شامل ہو جانے سے ایک خاص قسم کا تنوع پیدا ہو گیا ہے، جس سے تازہ بتازہ نو بنو کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

خسرو کی مثنوی نگاری کی چوتھی خصوصیت جدّت اختراع اور طرفہ آفرینی ہے اُن کی طبیعت کا سب سے زیادہ میلان ایجاد کی طرف تھا۔ ہر صنف میں اس کے شواہد موجود ہیں جیسا کہ اُنھوں نے خود بیان کیا ہے اُن کی نثر تمام تر اُن کی جدت آفرینی کا نتیجہ ہے۔ رباعیات و قطعات میں وہ کسی کے مقلد نہیں۔ قصائد، مثنوی اور غزل میں وہ اپنے آپ کو دوسروں کا پیرو بتاتے ہیں، لیکن اس تقلید میں بھی اُنھوں نے اپنی حریت ذہنی اور اختراعات کے لیے پورا میدان پیدا کر لیا ہے۔ صنایع اور بدایع میں اُن کی جدّت پسند طبیعت نے ایجادات کے انبار لگا دیئے ہیں۔

۱؎ دیکھو اعجاز خسروی ۲؎ دیکھو دیباچہ غرۃ الکمال ۳؎ دیکھو اعجاز خسروی دیباچہ تحفۃ الصغر دیباچہ وسط الحیوۃ اور دیباچہ غرۃ الکمال وغیرہ ۱۲

مثنوی قران السعدین میں جو خود جدت کا نمونہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

چند گہم بود بدل ایں خیال — تازہ کنم ہر صفتے را جمال
بود در اندیشۂ من چند گاہ — کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آلبش دہم — مجمعِ اوصاف خطالبش دہم
طرزِ سخن را روشِ نو دہم — سکۂ ایں ملک بخسرو دہم
نو کنم اندازِ رسمِ کہن — پس ردیِ پیشِ روانِ کہن (صفحہ ۲۳-۲۴)

آنچہ ز سر جوشش دلِ نقشبند ق معنیِ نو بود و خیالِ بلند
موئے بموشیں بہ ہنر بیختم — پختہ و سنجیدہ در و ریختم
وصف نہ زاں گونہ شد از دل برو — کاں دیگرے را بدل آید کہ چو
ہر صفتے را کہ بر انگیختم — شعبدۂ تازہ در و ریختم
نیست ز کس لولوے لالاے من — ژرف بہ بیں در تہِ دریاے من
نکتۂ من گوہرِ کانِ من ست — زانِ کسے نیست از آنِ من ست
دزد نیم خانۂ بُرِ دیگرے — خانہ کشادہ زرِ دیگرے
مایۂ ہر دزد کہ در عالم ست — گرچہ فزون ست بقیمت کم ست (صفحہ ۲۳-۲۹)

آن کہ شناسندۂ ایں گوہر ست — گرہمہ نغزیں کندم درخورست

داں کہ بہ تقلید نشست اندریں　　　نشنوم از خود کہ ندم آفریں (صفحہ ۲۴۲)

حقیقت یہ ہی کہ یوں تو انسان کی تمام ذہنی قوتیں وہبی ہوتی ہیں اور کوشش سے اُن میں صرف محدود ترقی ہو سکتی ہی لیکن غالباً قوائے دماغی میں سب سے زیادہ غیر اکتسابی وہ قوت ہی جسے "تخیل" کہتے ہیں اور جو شاعری کے لیے خاص طور پر بمنزلہ روح رواں ہی۔ شاعر اسے ماں کے پیٹ سے لیکر آتا اور اسی طرح اپنے ساتھ لے جاتا ہی۔ دوسرے لحاظ سے ممکن ہی کہ اس کے کلام میں روز بروز ترقی ہوتی جائے۔ مثلاً اس کے الفاظ زیادہ شستہ اور بندشیں زیادہ چست ہو جائیں لیکن تخیل کی مقدار تقریباً ہمیشہ معیّن رہتی ہی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بڑے شاعر کے کلام میں عہدِ طفولیت میں پیرانہ پختگی اور عہدِ پیری میں طفلانہ تازگی پائی جاتی ہی۔

خسرو کے کلام پر ایک غائر تاریخی نظر ڈالنے سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہی خوش قسمتی سے اُن کا تمام کلام ہر ہر دور کا جدا جدا محفوظ ہی۔ بڑی مثنویوں میں قران السعدین پہلی مثنوی ہی لیکن چند چھوٹی مثنویاں بھی جو اُنھوں نے اس سے پہلے لکھی تھیں محفوظ ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کی دو ابتدائی مثنویوں سے ایک ہی مضمون کے متعلق انتخابات پیش کرکے قران السعدین سے مقابلہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ابتدا ہی سے خسرو کے تخیل کی کیا حالت تھی۔

مضمون مغلوں کی ہجو ہے جس میں خسرو نے قران السعدین میں بڑا زورِ قلم دکھایا ہی (دیکھو صفحہ ۹۳-۹۵) یہ مثنوی اُن کے مربّی سلطان محمد کی شہادت اور خود امیر کے

مغلوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جانے کے کوئی چار پانچ برس بعد کی ہے۔ اس کے لکھتے وقت اُن کا غم و غصہ جس قدر جوش میں ہوگا ظاہر ہے۔ دوسری مثنوی ۶۸۲ھ یعنی قران السعدین سے کوئی چھ برس پہلے اور حوادثِ مذکورۂ بالا سے ایک سال قبل کی تصنیف ہے۔ تیسری مثنوی سلطان محمد کی ملازمت اختیار کرتے وقت غالباً دوسری مثنوی سے تین چار برس پہلے کی ہے۔

قران السعدین
(۶۸۸ھ)

کافرِ تاتار بروں از ہزار
کردہ دگرگونہ باشتر سوار
سخت سرانے بوغا سخت کوش
ہر ہمہ پولاد تن و پنبہ پوش
اصل ز سنگ لیک برگ استخواں
گربہ یخنی شدہ بر روئے خواں

مثنوی
(۱۱ ر رمضان ۶۸۲ھ)

در تگاپو چوں سگِ لقمہ ربا
آفتِ نان و بلائے شوربا
ہر نائے گر ہمہ باشند سیر
سرنگوں افتند از بالا بزیر

دو گلہ بر لیک[لہ] بر پشت دگل
گندگی را جائے کردہ در بغل

مثنوی
(جو غالباً سلطان محمد کی ملازمت اختیار کرتے وقت لکھی تھی)

قومے ہمہ گربہ چشم سگسار
چوں گرگ درندہ آدمی خوار
ہمہ بوزنہ وار نا وفاجوے
ہم پوست سگے کشیدہ بر روے
چوں سگ ہمہ در دوال ماندہ
چوں بوزنہ در جوال ماندہ
تا چند رہ سگی سپردن
یا بوزنہ را انگشت بردن
مشتے دگلاں دو گلہ پوشاں
قربو قر بوزناں دجوشاں

لہ یہ لفظ نسخۂ منقول عنہ میں مشکوک ہے ۱۲

پوستین پوشیده و بے پوستے
در گریز از غازیانِ دوستے

گشت بیلے گو همه بر بانگِ نی
همچو زنان نوحه کنان پی به پی

ناله ناخوش همی در داشته
مست و آوازِ بیلے بر داشته

گویان سخنے بسگ نه بانی
لافش نه بزرگ استخوانی

زین بیله گردانِ نافرخنده پی
جان بیله کرده با آوازِ بیلے

سر تراشیده زهبرِ قلم
زان قلم انگیخته خذلان رقم

بسته پرِ بوم را بالائے سر
سر تراشیده چو بیضه زیر پر

از سنگ و سیش خراش خورده
هم از سرِ خود تراش کرده

مشتے پرِ بوم کرده در سر
بسیار ز بوم شوم رو تر

رخنه شده طشتِ مس از چشم تنگ
دیده در انداخته در رخنه سنگ

چشم شان در ریشے ناپیدا شده
هر که دیده ریشے شان شیدا شده

چون شیشه و چشم ازرق و تنگ
در سختی اگر صفت کنم سنگ

دیده‌ہائے در شده اندر مغاک
گوئی بنشسته است اندر گرده باک

از رخ تا رخ شده بینی پهن
وز کله تا کله لبالب دهن

بینی پست و خیشش از دی دوال
همچو غوکے بر سرِ آبے روان

بینی پر رخنه چو گورِ خراب
یا چو تنورے که ز طوفان آب

موئے زنبی شدہ برلب فراز　　ریش نے در روئے شاں حملہ بریخ　　یک مونہ بریشش تا بجنبند
سبلتِ شاں گشتہ بغایت دراز　　آمدہ ہبرِ زدن از کوہ و شیخ　　گوئی کہ یگاں یگاں بجنبند
ریش نہ پیرامنِ چاہِ زنخ　　گر نہادہ سبلتانِ گندہ را　　سبلت عیان و ریش گمند
سبزہ کجا بر دمد از روئے بیخ　　دام دادہ ریشِ اہلِ خندہ را　　مخصوص برائے ریش خندہ
گر زنخ شاں ز محاسن کنار
اہلِ زنخ را بمحاسن چہ کار
سبلتِ چوں سیخ چو تماج روئے
رشتہ ببیں نعمتِ شاں در گلوئے

زشت تر از زنگ شدہ بوئے شاں　　چہرۂ شاں اسیرِ غوری ہمن
پست تر از پشت شدہ روئے شاں　　ہم بہ بہنائے سپر دو بہ دہن
چہرۂ شاں دبہ نم یافتہ
جائے بجا کنجلک و خم یافتہ

روئے چو آتش کلہ از پشم میش　　روئے ہمچوں آتش و سر ہمچو دیگ　　تفسیدہ زخشم ہمچو تابہ
آتشِ سوزاں شدہ با پشم خویش　　ماندہ از مردارخواراں مردہ ریگ　　رُخِ سرخ چو پشتِ آفتابہ
آتشِ ریانِ سرد چوں آب
سوزان و جہاں چو کرمِ شبتاب
رو سرخ و حدیث زشت در کام
چوں طشت کہ آں بیفتد از بام

خوردہ سگ و خوک بدندانِ بد | روترش چوں سرکہ تماج شوے
ہر ہمہ دندانِ خرد بے خرد | در ترش خوئی ہمہ تماج ردے
(صفحہ ۶۴ - ۶۵)

موش خوارانِ وندہ موش وا
گشتہ صحرائی زمشتے موش خوا

گندہ دہنان و گندگی دست | ہر کہ با ایشاں معاذ اللہ نشست | مائدہ شاں از خورشِ زشت تے
خوکی و سگی کشیدہ در پوست | تے کند در ساعتے بوئی زشت | واں کہ ببیند قیش آید بہ پے

تینوں جگہ ایک ہی قوم کی ہجو ہی۔ شاعرانہ تخیّل نے ایک نفرت انگیز تصویر کے خط و خال ہر جگہ یکساں طور پر کھینچے ہیں۔ جس طرح ایک ظریف مصور کسی شخص کی مضحکہ انگیز تصویر بناتے وقت اُس شخص کی مشابہتِ تامّہ قایم رکھتا ہی اسی طرح ایک باکمال شاعر محبت و نفرت کے جذبات سے متاثر ہو کر جو تصویر پیش کرتا ہی وہ اصلیت سے متغائر نہیں ہوتی البتہ اس کے وارداتِ قلبی کے لحاظ سے یہ تصویر کبھی دلکش اور کبھی نفرت انگیز ہوتی ہی۔

خسرو نے مغلوں کی تصویر جس طرح کھینچی ہی اس سے شاعر کی انتہائی دلی نفرت کا اظہار ہوتا ہی۔ لیکن دیکھنے کے قابل یہ بات ہی کہ اُن کی جن جن چیزوں کو استہزا کے لیے منتخب کیا ہی وہ واقعی ہیں محض قیاسی نہیں ہیں اور اُن جزئیات کو ملا کر جو اس غرض کے لیے انتخاب کی گئی ہیں ہمارے ذہن میں مُغلوں کی ایک ایسی تصویر پیدا ہو جاتی ہی جو جذبات کا حجاب اُٹھا دینے کے بعد بھی مغلوں کی واقعی ہیئت سے مشابہت تامّہ رکھتی ہی۔ چھوٹی چھوٹی نیلی آنکھیں، چپٹی ناک، پھیلے نتھنے، چوڑا تمتماتا چہرہ، ڈاڑھی کے دو چار بال

ٹھوڑی سے لٹکے ہوئے، لمبی لمبی مونچھیں، گُھٹا سر، کلہ ریشم سر پر رکھی، پر ہوم بطور کلغی لگائے، دگلہ پہنے، نے بجاتے اور تاتاری زبان میں نعرے لگاتے، غرض یہ ساری باتیں واقعی ہیں البتہ شاعر نے ان سب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ پڑھکر ان کی ریشخند کے لیے خواہ مخواہ ہر ایک کی طبیعت چاہتی ہے۔

سب سے اخیر میں ہم جس خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ "تناسب" ہے فنونِ لطیفہ میں (جس کے اندر شاعری بھی داخل ہے) "حسن" سب سے زیادہ تناسب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس طرح "تاج گنج" یا "الحمرا" کی دلکشی کا اندازہ محض ان کی پیمایشیں دیدینے سے نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کے حُسن کا تصوّر نظارے کے ایک مجموعی اثر کا حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کسی کتاب کے تناسب کا خیال کتاب کے مجموعی اثر پر موقوف ہے۔ یہ تناسب ایک طرف الفاظ کی موزونیت سے شروع ہوتا اور دوسری طرف خیالات کی مناسبت اور تمام اجزاے کتاب کی انفرادی اور اجتماعی خارجی اور داخلی موزونیت پر ختم ہوتا ہے۔ مصوّر اور نقاش تصویر یا نقوش بناتے وقت ایک طرف ہر ہر خط اور ہر ہر جزو کی موزونیت اور دوسری طرف اجزا کی باہمی تناسب کا خیال رکھتا ہے۔ بت تراش مجسمہ تیار کرتے وقت چوٹی سے ایڑی تک پتھر کے ہر ہر مقام پر نظر رکھتا اور تمام حصص میں توازن و تناسب قایم کرتا ہے۔ معمار عمارت کی ہر ہر اینٹ موزونیت کے ساتھ رکھتا اور تمام عمارات کے حصّوں میں ایک مجموعی مناسبت قایم کرتا ہے۔ موسیقی کا ماہر ایک ایک سُر کو تول کر نکالتا اور نغمے کے مختلف اجزا میں پستی و بلندی قایم کر کے ایک مجموعی موزونیت پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح